ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY

USMAN NOTES
www.usmannotes.com

Name:

Registration No.:

Course Code: 3964

Program: BS Islamic Studies

Semester: Autumn 2026

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ (شعبہ سیرت سٹڈیز)

کورس: بنیادی منطق (3964) • سطح: بی ایس علوم اسلامیہ

سمسٹر: خزاں 2026

امتحانی مشق نمبر 1 (یونٹ 1-4)

کل نمبر: 100 • کامیابی کے نمبر: 0

حل شدہ اسائنمنٹ گائیڈ

Reference &For Study — SOLVED ASSIGNMENT GUIDE

نوٹ: یہ گائیڈ صرف مطالعہ اور حوالے کے مقصد کے لیے تیار کی گئی ہے۔ طلبہ کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ کورس کی کتاب کے متعلقہ یونٹس غور سے پڑھیں، تصورات کو اچھی طرح سمجھیں اور پھر اسائنمنٹ اپنے الفاظ میں لکھیں۔ اس گائیڈ کو ہو بہو نقل کرنے کے بجائے اپنی فہم کے مطابق تحریر کریں۔ جہاں کسی دینی یا قانونی مسئلے میں قطعی رائے درکار ہو وہاں اہلِ علم اور مستند علماء کی طرف رجوع کریں۔

سوال نمبر 1 (20 نمبر)

سوال نمبر 1: منطق کے مفہوم اور دائرہ کار کا تجزیاتی مطالعہ کرتے ہوئے عصر حاضر میں اس کی ضرورت اور علوم اسلامیہ میں اس کی اہمیت و افادیت کا جائزہ پیش کریں۔ (20)

تعارف

انسان کی سب سے بڑی امتیازی خصوصیت اس کی قوتِ فکر اور استدلال ہے۔ یہی قوت اسے معلوم باتوں سے نامعلوم نتائج تک پہنچاتی ہے، مگر یہی قوت غلطی کا شکار بھی ہو جاتی ہے۔ کبھی انسان غلط تعریف کر بیٹھتا ہے، کبھی ناکافی مشاہدے سے کلی حکم لگا لیتا ہے اور کبھی بظاہر درست نظر آنے والی دلیل درحقیقت مغالطے پر مبنی ہوتی ہے۔ اسی مسئلے کے حل کے لیے ایک ایسے علم کی ضرورت پیش آئی جو فکر کی صحت و غلطی کے اصول مقرر کرے، درست دلیل اور مغالطے میں امتیاز سکھائے اور ذہن کو ایک منظم راستہ دکھائے۔ اسی علم کا نام منطق ہے۔ اس جواب میں پہلے منطق کے لغوی و اصطلاحی مفہوم اور اس کے دائرہ کار کا تجزیاتی مطالعہ پیش کیا جائے گا، پھر عصرِ حاضر میں اس کی ضرورت بیان کی جائے گی اور آخر میں علومِ اسلامیہ کے حوالے سے اس کی اہمیت و افادیت کا جائزہ لیا جائے گا، تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ منطق محض ایک قدیم یونانی ورثہ نہیں بلکہ آج بھی ہر سنجیدہ طالب علم کے لیے ناگزیر علمی آلہ ہے۔

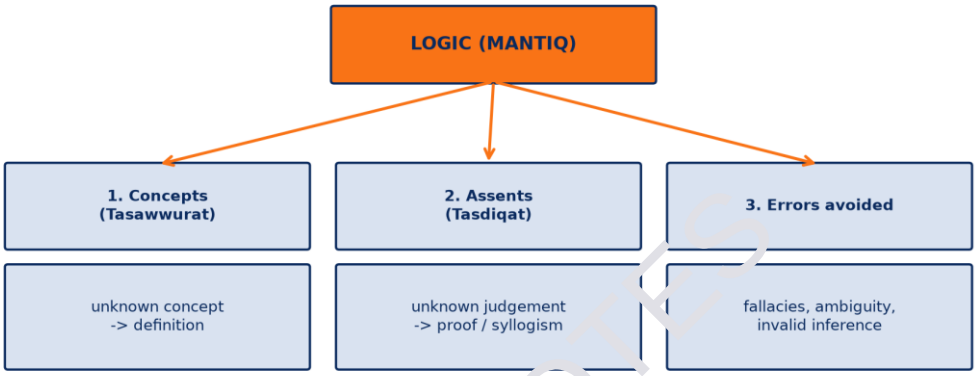
منطق کا لغوی و اصطلاحی مفہوم

لفظ منطق عربی کے مادے ن، ط، ق سے بنا ہے جس کے معنی ہیں بولنا، گفتگو کرنا اور کلام کرنا۔ چونکہ انسان کی سوچ کا اظہار عموماً کلام ہی کے ذریعے ہوتا ہے اور درست سوچ اور درست کلام کا آپس میں گہرا تعلق ہے، اس لیے فکر کی درستی سکھانے والے علم کو منطق کہا گیا۔ بعض اہلِ لغت کے نزدیک نطق سے مراد محض ظاہری گفتگو نہیں بلکہ باطنی ادراک و تعقل بھی ہے، اسی لیے انسان کو حیوانِ ناطق کہا جاتا ہے یعنی وہ جاندار جو سوچنے اور بولنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اصطلاح میں منطق کی مشہور تعریف یہ کی گئی ہے کہ منطق ایک ایسا قاعدہ و قانون سکھانے والا آلاتی علم ہے جس کے اصولوں کی رعایت ذہن کو فکر میں غلطی سے بچاتی ہے۔ اس تعریف کے مطابق منطق بذاتِ خود مقصود نہیں بلکہ دوسرے علوم کے حصول اور ان کی حفاظت کا وسیلہ ہے، اسی لیے اسے علمِ آلہ کہا جاتا ہے، جس طرح ترازو وزن بتانے کا آلہ ہے اسی طرح منطق دلیل کے کھرا کھوٹا ہونے کو جانچنے کا آلہ ہے۔

منطق کی ایک اور جامع تعریف یہ ہے کہ یہ وہ علم ہے جس میں ان اصول و قوانین سے بحث کی جاتی ہے جن کے ذریعے نامعلوم تصورات اور نامعلوم تصدیقات تک معلوم تصورات اور معلوم تصدیقات کی مدد سے رسائی حاصل کی جاتی ہے۔ اس تعریف سے منطق کی اصل روح سامنے آتی ہے کہ انسانی علم کی عمارت دو اجزا پر کھڑی ہے: ایک یہ کہ ہم کسی چیز کا تصور حاصل کریں یعنی اسے پہچانیں، اور دوسرے یہ کہ ہم اس کے بارے میں کوئی حکم لگائیں یعنی کوئی بات ثابت یا رد کریں۔ دونوں صورتوں میں کبھی بات بدیہی اور خود بخود واضح ہوتی ہے اور کبھی غور و فکر کی محتاج ہوتی ہے۔ جب تصور نامعلوم ہو تو تعریف یعنی حد و معرف کی ضرورت پڑتی ہے اور جب تصدیق نامعلوم ہو تو دلیل یعنی قیاس و استدلال کی ضرورت پڑتی ہے۔ پس منطق دراصل اس غور و فکر کے صحیح طریقے کا نام ہے جو مجہول سے معلوم کی طرف لے جاتا ہے۔

منطق کا دائرہ کار: موضوع، غرض اور مباحث

ہر علم کا ایک موضوع ہوتا ہے جس کے حالات سے وہ بحث کرتا ہے۔ منطق کا موضوع معلوماتِ تصوریہ و تصدیقیہ کا وہ پہلو ہے جو مجہولِ تصوری و تصدیقی تک پہنچانے میں مدد دیتا ہے۔ آسان الفاظ میں منطق کا موضوع وہ معلوم باتیں ہیں جنہیں بنیاد بنا کر نامعلوم باتوں تک پہنچا جاتا ہے۔ منطق کی غرض و غایت یہ ہے کہ ذہن درست فکر کرے، غلطی سے بچے، دلیل اور مغالطے میں فرق کر سکے اور کسی بھی دعوے کو پرکھنے کی صلاحیت پیدا کرے۔ اسی لیے منطق کو بعض علماء نے تمام علوم کا سردار اور میزانِ علوم قرار دیا، کیونکہ جس طالب علم کے پاس دلیل پرکھنے کا معیار موجود ہو وہ کسی بھی علم میں سطحی باتوں سے دھوکا نہیں کھاتا۔ امام غزالی نے منطق کو علوم کی میزان و معیار قرار دیتے ہوئے لکھا کہ جو شخص منطق سے واقف نہ ہو اس کے علم پر مکمل اعتماد نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ وہ صحیح و غلط استدلال میں امتیاز کے آلے سے محروم ہوتا ہے۔



شکل 1: منطق کا دائرہ کار — تصورات میں تعریف اور تصدیقات میں دلیل کے ذریعے مجہول سے معلوم کی طرف رسائی۔

دائرہ کار کے لحاظ سے منطق کے مباحث دو بڑے حصوں میں تقسیم ہوتے ہیں۔ پہلا حصہ مباحثِ تصورات ہے جس میں الفاظ اور ان کے معانی کی بحث، دلالت کی اقسام، کلی و جزئی، کلیاتِ خمسہ اور پھر تعریف یعنی حد و معرف کے اصول بیان ہوتے ہیں۔ دوسرا حصہ مباحثِ تصدیقات ہے جس میں قضایا کی اقسام و شرائط اور پھر استدلال یعنی قیاس، استقراء اور تمثیل کے اصول بیان ہوتے ہیں اور اس کے ساتھ مغالطات کی بحث بھی آتی ہے تاکہ طالب علم غلط دلیلوں کی پہچان بھی سیکھے۔ یہ ترتیب اتفاقی نہیں بلکہ انسانی علم کی فطری ترتیب کے عین مطابق ہے، کیونکہ پہلے چیزوں کا صحیح تصور قائم ہوتا ہے، پھر ان تصورات کو جوڑ کر قضیے بنتے ہیں اور پھر قضیوں کو ترتیب دے کر دلیل قائم ہوتی ہے۔ یوں منطق کا دائرہ کار الفاظ سے شروع ہو کر مکمل علمی استدلال تک پھیلا ہوا ہے اور یہ ہر اس شخص کے کام کا علم ہے جو سوچتا، لکھتا، بحث کرتا یا تحقیق کرتا ہے۔

جدول 1: منطق کے دائرہ کار کا خلاصہ

پہلو	تفصیل
موضوع	معلوم تصورات و تصدیقات کا وہ پہلو جو مجہول تک پہنچائے
غرض و غایت	ذہن کو فکر کی غلطی سے بچانا اور صحیح استدلال سکھانا

دلالت، کلی و جزئی، کلیاتِ خمسہ، حد و معرف (تعریف)	مباحثِ تصورات
قضیہ، قیاس، استقراء، تمثیل اور مغالطات	مباحثِ تصدیقات
علمِ آلہ: دیگر علوم کے لیے میزان و معیار	حیثیت

عصرِ حاضر میں منطق کی ضرورت

آج کا دور اطلاعات کی بھرمار کا دور ہے۔ سوشل میڈیا، ویڈیوز، پیغامات اور خبروں کا ایک سیلاب ہر شخص تک پہنچ رہا ہے جس میں سچ اور جھوٹ، دلیل اور پروپیگنڈا، تحقیق اور افواہ سب گڈمڈ ہیں۔ ایسے ماحول میں وہی شخص محفوظ رہتا ہے جو ہر دعوے کو پرکھنے کا شعور رکھتا ہو۔ منطق یہی شعور فراہم کرتی ہے: دعویٰ کیا ہے، دلیل کیا ہے، دلیل اور دعوے کا تعلق درست بھی ہے یا نہیں، اور کہیں بات کو گھما پھرا کر نتیجہ تو نہیں نکالا گیا۔ جعلی خبروں، فراڈ اشتہارات اور جذبات بھڑکانے والی تقریروں کی پہچان کے لیے یہ تنقیدی سوچ آج اتنی ہی ضروری ہے جتنی کسی قدیم مدرسے کے مناظرے کے لیے تھی۔ اس کے علاوہ جدید تعلیم کا نظام تجزیے، موازنے اور تحقیق پر قائم ہے؛ مضمون نویسی سے لے کر سائنسی تحقیق اور عدالتی کارروائی تک ہر جگہ تعریف کی درستی، درجہ بندی کی صحت اور استدلال کی مضبوطی مطلوب ہوتی ہے۔ کمپیوٹر سائنس اور مصنوعی ذہانت جیسے جدید شعبوں کی بنیاد بھی باقاعدہ منطقی اصولوں ہی پر ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ منطق کا دائرہ پرانے مدرسے سے نکل کر جدید دنیا کے قلب تک پہنچ چکا ہے۔

علومِ اسلامیہ میں منطق کی اہمیت و افادیت

مسلمانوں کی علمی تاریخ میں منطق نے مرکزی کردار ادا کیا ہے۔ یونانی علوم کے عربی میں منتقل ہونے کے بعد امام غزالی جیسے عظیم علماء نے منطق کو دینی علوم کے لیے باقاعدہ مقدمے کی حیثیت دی اور ان کی کتابوں کے ذریعے یہ علمِ اصولِ فقہ، علمِ کلام، تفسیر اور بلاغت کا حصہ بن گیا۔ اصولِ فقہ میں قیاسِ شرعی، علت کی تعیین، مناط کی تنقیح اور دلالاتِ الفاظ کی بحث منطقی تربیت کے بغیر سمجھنا مشکل ہے۔ علمِ کلام میں عقائد کے اثبات اور اعتراضات کے جواب کے لیے دلیل کی ترتیب اور مغالطوں کی نشان دہی ناگزیر رہی ہے۔ فقہاء و مجتہدین نے بھی تعریفات کی درستی، اقسام کی تقسیم اور شرائط کی جانچ میں انہی اصولوں سے کام لیا۔ اسی تسلسل کا نتیجہ ہے کہ آج بھی دینی مدارس اور جامعات

کے نصاب میں بنیادی منطق شامل ہے، کیونکہ بنیادی منطق پڑھے بغیر طالب علم اصول و کلام کی بڑی کتابوں کے اصطلاحی استدلال کو پوری طرح نہیں سمجھ سکتا۔ البتہ یہ وضاحت ضروری ہے کہ منطق یہاں وسیلے کی حیثیت رکھتی ہے، عقیدے یا شریعت کا ماخذ نہیں؛ دینی احکام کا اصل سرچشمہ قرآن و سنت ہے، جبکہ منطق ان نصوص کے فہم، تنظیم اور دفاع میں معاون بنتی ہے اور اس کے اطلاق کے دائرے میں حتمی دینی رائے کا اختیار ہر حال میں اہلِ علم و مجتہدین ہی کا رہتا ہے۔

تنقیدی جائزہ اور احتیاطی پہلو

منطق کی افادیت کے ساتھ اس کی حدود کا اعتراف بھی علمی دیانت کا تقاضا ہے۔ اول یہ کہ منطق شکل و صورت کی درستی سکھاتی ہے، مادے کی سچائی کی ضمانت نہیں دیتی؛ اگر کسی قیاس کے مقدمات ہی غلط ہوں تو شکل درست ہونے کے باوجود نتیجہ غلط ہو سکتا ہے، اس لیے مواد کی جانچ کے لیے متعلقہ علم اور ماخذ کی تحقیق ہمیشہ درکار رہتی ہے۔ دوم یہ کہ منطق کو اس کے مقام سے بڑھا کر فلسفیانہ موشگافیوں میں الجھانا بھی نقصان دہ ثابت ہوا، جس کی طرف بعض بڑے علماء نے تنبیہ کی اور عملی اصول یہی قرار پایا کہ بنیادی منطق بطورِ آلہ سیکھی جائے اور اسے عقائد کا حاکم نہ بنایا جائے۔ سوم یہ کہ آج کے نصاب میں منطق کو محض کتابی تعریفوں تک محدود رکھنے کے بجائے روزمرہ دلیل، میڈیا کے دعووں اور تحقیقی تحریر پر اس کے اطلاق کی مشق کرانی چاہیے، تبھی اس کی اصل افادیت سامنے آتی ہے۔ ان احتیاطوں کے ساتھ منطق کا مقام واضح ہو جاتا ہے: یہ نہ مقصود بالذات ہے نہ مردود، بلکہ ایک مفید میزان ہے جسے اس کی حد میں استعمال کرنا ہی دانشمندی ہے۔

نتیجہ

حاصلِ کلام یہ ہے کہ منطق فکر کی درستی کا علم ہے: اس کا مفہوم ذہن کو غلطی سے بچانے والے قوانین سے عبارت ہے، اس کا دائرہ کار تصورات میں تعریف اور تصدیقات میں استدلال تک پھیلا ہوا ہے، اور اس کی غرض معلوم سے مجہول تک صحیح راستے سے پہنچنا ہے۔ عصرِ حاضر میں اطلاعات کی بھرمار، تحقیقی تعلیم کے تقاضوں اور جدید علوم کی منطقی بنیادوں نے اس کی ضرورت کو پہلے سے بڑھا دیا ہے، جبکہ علومِ اسلامیہ میں اصولِ فقہ، کلام اور فقہی استدلال کے فہم کے لیے اس کی افادیت صدیوں سے مسلم چلی آ رہی ہے۔

بشرطیکہ اسے وسیلے کی حد میں رکھا جائے اور مادے کی سچائی کے لیے نصوص اور تحقیق کا سہارا لیا جائے، منطق ہر طالب علم کے لیے ایک ایسی میزان ہے جو اس کی پوری علمی زندگی میں کام آتی ہے۔

سوال نمبر 2 (20 نمبر)

سوال نمبر 2: علم کی اقسام اور تصدیق و تصور کے مفاہیم کا تجزیاتی جائزہ لیتے ہوئے تصور، تصدیق کی مختلف اقسام کو مثالوں سے واضح کریں۔ (20)

تعارف

منطق کی ساری بحث کی بنیاد علم کے درست فہم پر ہے، کیونکہ جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ علم کیا ہے، اس کی اقسام کیا ہیں اور معلوم و مجہول کی تقسیم کس اصول پر ہوتی ہے، اس وقت تک یہ سمجھنا ممکن نہیں کہ تعریف اور دلیل کی ضرورت کب اور کیوں پیش آتی ہے۔ منطقیین کے نزدیک علم کی پہلی اور بنیادی تقسیم تصور اور تصدیق کی ہے، پھر ان دونوں میں سے ہر ایک کی مزید تقسیم بدیہی اور نظری کی صورت میں کی جاتی ہے۔ یہ تقسیم محض کتابی مشق نہیں بلکہ اس سے تعلیم و تعلم کا پورا نظام سمجھ میں آتا ہے: استاد کس بات کو براہِ راست سمجھا سکتا ہے، کس بات کے لیے تعریف درکار ہو گی اور کس بات کے لیے دلیل قائم کرنا پڑے گی۔ اس جواب میں پہلے علم کا مفہوم اور اس کی ابتدائی اقسام بیان کی جائیں گی، پھر تصور و تصدیق کے مفاہیم کا تجزیاتی جائزہ پیش کیا جائے گا اور آخر میں دونوں کی اقسام کو مثالوں کی مدد سے واضح کیا جائے گا۔

علم کا مفہوم اور اس کی ابتدائی اقسام

منطقی و فلسفی اصطلاح میں علم سے مراد نفس میں کسی چیز کی صورت کا حاصل ہو جانا ہے، یعنی ذہن میں کسی شے کی ایسی شکل و مفہوم کا بن جانا جس سے وہ شے پہچانی جائے۔ جب ہم درخت کو دیکھتے یا اس کا تصور کرتے ہیں تو ذہن میں اس کی جو صورت قائم ہوتی ہے وہی اس کا علم ہے۔ علم کی ایک مشہور تقسیم حصولی اور حضوری کی ہے: علمِ حضوری وہ ہے جس میں معلوم خود نفس کے حضور میں ہو، جیسے انسان کو اپنی بھوک، پیاس، خوشی اور درد کا علم؛ یہ علم بغیر کسی صورت و واسطے کے حاصل ہوتا ہے۔ علمِ حصولی وہ ہے جس میں

چیز کی صورت ذہن میں حاصل ہوتی ہے، جیسے غائب چیزوں، گزشتہ واقعات اور عام اشیا کا علم۔ منطق کی بحث کا محور زیادہ تر علمِ حصولی ہے، کیونکہ تعریف اور دلیل اسی علم کے حصول کے ذرائع ہیں۔ اسی طرح علم کی تقسیم قدیم و حادث اور فعلی و انفعالی وغیرہ بھی کی جاتی ہے، مگر منطقی نقطہ نظر سے سب سے اہم تقسیم اگلی ہے یعنی تصور و تصدیق اور بدیہی و نظری کی تقسیم۔

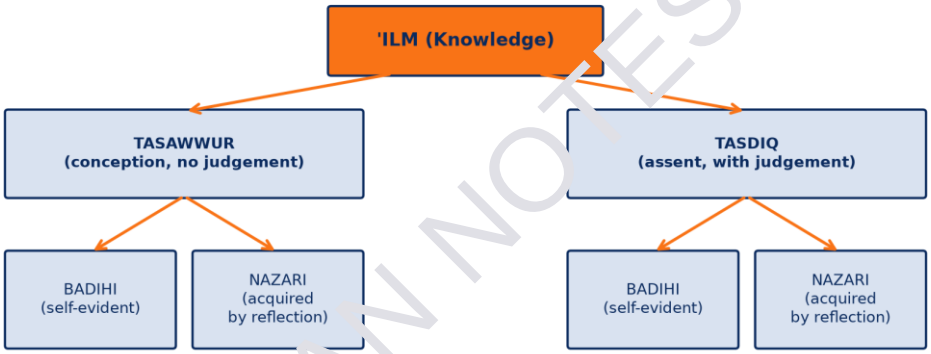
تصور کا مفہوم

تصور سے مراد کسی چیز کا وہ سادہ ادراک ہے جس کے ساتھ کسی حکم کی نفی یا اثبات نہ ہو۔ جب ذہن میں صرف کسی شے کا مفہوم آئے، اس کے بارے میں نہ یہ کہا جائے کہ وہ ایسا ہے اور نہ یہ کہ وہ ایسا نہیں، تو اسے تصور کہتے ہیں۔ مثلاً انسان، درخت، انصاف، تین کا عدد، اور سمندر کا خیال، یہ سب تصورات ہیں، کیونکہ ان میں کسی چیز پر کوئی حکم نہیں لگایا گیا۔ تصور کا تعلق ہمیشہ مفردات سے ہوتا ہے خواہ وہ مفرد ایک لفظ ہو یا کئی الفاظ کا مجموعہ جو ایک ہی مفہوم دے، جیسے حیوانِ ناطق جو انسان کی تعریف ہے۔ تصور صحیح بھی ہو سکتا ہے اور غلط بھی، یعنی کسی چیز کا تصور اس کی حقیقت کے مطابق بھی ہو سکتا ہے اور خلاف بھی، مگر تصور کے بارے میں سچ اور جھوٹ کی اصطلاح استعمال نہیں ہوتی، کیونکہ صدق و کذب کا تعلق حکم سے ہے اور تصور میں حکم موجود ہی نہیں ہوتا۔ غلط تصور کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ اس پر بننے والے سارے آگے کے احکام بھی بگڑ جاتے ہیں، اسی لیے منطق میں تصورات کو درست کرنے کے لیے تعریف کے اصول مقرر کیے گئے ہیں۔

تصدیق کا مفہوم

تصدیق سے مراد وہ ادراک ہے جس میں ایک چیز کے لیے دوسری چیز کا اثبات یا اس سے نفی کا حکم لگایا جائے اور اس حکم پر ذہن کو ایک طرح کا اذعان و یقین حاصل ہو۔ جب ہم کہتے ہیں کہ زمین گول ہے تو یہاں زمین کا محض تصور نہیں بلکہ اس کے لیے گول ہونے کا حکم بھی ہے، اس لیے یہ تصدیق ہے۔ اسی طرح جب کہا جائے کہ کوئی انسان پتھر نہیں تو یہ بھی تصدیق ہے کیونکہ اس میں نفی کا حکم موجود ہے۔ تصدیق کے تین اجزا ہوتے ہیں: موضوع یعنی جس پر حکم لگایا جائے، محمول یعنی جو حکم لگایا جائے، اور ان دونوں کے درمیان نسبت یعنی رابطہ جس پر حکم قائم ہوتا ہے۔ تصدیق ہی وہ مقام ہے جہاں سچ اور جھوٹ کا سوال پیدا ہوتا ہے، کیونکہ اگر حکم واقع کے مطابق ہو تو تصدیق صادق اور

ورنہ کاذب کہلاتی ہے۔ منطق میں تصدیقات تک پہنچنے کا ذریعہ دلیل و قیاس ہے، اسی لیے مباحثِ تصدیقات کو منطق کا اہم ترین حصہ سمجھا جاتا ہے، کیونکہ علوم کا اصل سرمایہ یہی ثابت شدہ احکام ہوتے ہیں۔



Example: conceiving 'man' is tasawwur; judging 'man is mortal' is tasdiq.

Every tasdiq rests on tasawwur: one cannot judge about what one has not first conceived.

شکل 2: علم کی تقسیم — تصور و تصدیق، اور پھر ہر ایک کی بدیہی و نظری اقسام۔

تصور و تصدیق کا باہمی تعلق اور تقابلی جائزہ

تصور اور تصدیق میں تعلق بنیاد اور عمارت کا ہے۔ ہر تصدیق سے پہلے تصورات ضروری ہیں، کیونکہ جب تک موضوع اور محمول دونوں کا تصور ذہن میں نہ ہو ان پر حکم لگانا ممکن ہی نہیں۔ مثلاً جب تک انسان اور فانی کے مفاہیم سمجھ میں نہ آئیں، یہ تصدیق قائم نہیں ہو سکتی کہ انسان فانی ہے۔ اس کے برعکس تصور تصدیق کے بغیر بھی ہو سکتا ہے، یعنی ہم بہت سی چیزوں کا محض تصور رکھتے ہیں مگر ان پر کوئی حکم نہیں لگاتے۔ دونوں کا ایک اور فرق یہ ہے کہ تصور کے حصول کا ذریعہ تعریف ہے اور تصدیق کے حصول کا ذریعہ دلیل ہے، اور دونوں میں غلطی کے مواقع الگ الگ ہیں: تصور کی غلطی عموماً نامکمل یا غلط تعریف سے پیدا ہوتی ہے جبکہ تصدیق کی غلطی عام طور پر کمزور دلیل یا غلط مقدمات سے پیدا ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ منطق کے نصاب میں پہلے تصورات کے مباحث پڑھائے جاتے ہیں تاکہ ذہن کی بنیاد مضبوط ہو، پھر تصدیقات کی طرف آیا جاتا ہے۔

جدول 2: تصور و تصدیق کا تقابلی جائزہ

پہلو	تصور	تصدیق
تعریف	حکم کے بغیر سادہ ادراک	حکم (اثبات یا نفی) کے ساتھ ادراک
مثال	انسان، کتاب، دریائے سندھ کا خیال	کتاب مفید ہے؛ زمین سورج کے گرد گھومتی ہے
صدق و کذب	اس کا سوال پیدا نہیں ہوتا	صادق یا کاذب ہوتی ہے
حصول کا ذریعہ	تعریف (حد و معرف)	دلیل (قیاس، استقراء وغیرہ)
اجزا	صرف مفہومِ مفرد	موضوع، محمول اور نسبتِ حکمیہ

تصور کی اقسام

تصور کی بنیادی تقسیم بدیہی اور نظری کی ہے۔ تصورِ بدیہی وہ ہے جو بغیر غور و فکر اور تعریف کے خود بخود حاصل ہو جائے، جیسے گرمی، سردی، روشنی، اندھیرا، بھوک اور اپنے وجود کا تصور؛ ان باتوں کو سمجھانے کے لیے کسی تعریف کی ضرورت نہیں پڑتی کیونکہ یہ تجربے و وجدان سے فوراً واضح ہو جاتی ہیں۔ تصورِ نظری وہ ہے جو غور و فکر اور تعریف کا محتاج ہو، جیسے روح، بجلی، کششِ ثقل، انصاف کا دقیق مفہوم یا کسی سائنسی اصطلاح کا تصور؛ ان کے لیے مناسب تعریف اور شرح درکار ہوتی ہے۔ یاد رہے کہ بدیہی و نظری ہونا بعض اوقات نسبتی ہوتا ہے، یعنی جو بات ایک ماہر کے لیے بدیہی ہے وہی نئے طالب علم کے لیے نظری ہو سکتی ہے، اس لیے استاد کو طلبہ کی سطح کے مطابق انداز اختیار کرنا پڑتا ہے۔ ایک اور پہلو سے تصورات کی تقسیم مفرد و مرکب میں بھی کی جاتی ہے: مفرد تصور ایک اکائی کا مفہوم دیتا ہے جیسے کتاب، جبکہ مرکب تصور کئی اجزا سے مل کر بنتا ہے جیسے دریائے سندھ کے کنارے واقع پرانا شہر، مگر جب تک اس میں حکم شامل نہ ہو وہ تصور ہی رہتا ہے، تصدیق نہیں بنتا۔

تصدیق کی اقسام

تصدیق بھی بدیہی اور نظری دو قسم کی ہوتی ہے۔ تصدیقِ بدیہی وہ ہے جس میں موضوع و محمول کا تصور حاصل ہوتے ہی ذہن خود بخود حکم لگا دے اور کسی دلیل کی ضرورت نہ پڑے۔ اس کی مثالیں یہ ہیں کہ کل اپنے جز سے بڑا ہوتا ہے، ایک ہی چیز ایک ہی وقت میں موجود بھی ہو اور معدوم بھی، یہ ناممکن ہے، اور دو برابر چیزوں میں سے ہر ایک تیسری چیز کے برابر ہو تو وہ آپس میں بھی برابر ہوتی ہیں۔ اسی قبیل کے مشاہدات و محسوسات بھی ہیں، جیسے آگ جلاتی ہے، اور متواتر خبریں، جیسے مکہ مکرمہ کا وجود، جو دلیل کے بغیر یقینی علم دیتی ہیں۔ تصدیقِ نظری وہ ہے جو دلیل قائم کیے بغیر حاصل نہ ہو، جیسے زمین کی گردش، ایٹم کی ساخت، یا کسی فقہی و کلامی مسئلے میں مخصوص حکم کا اثبات؛ ان میں بحث و تحقیق اور مقدمات کی ترتیب درکار ہوتی ہے۔ تصدیق کی ایک اور اہم تقسیم یقینی اور ظنی کی ہے: جس تصدیق میں مخالف کے احتمال کی گنجائش نہ رہے وہ یقینی اور جس میں مخالف کا احتمال باقی رہے وہ ظنی کہلاتی ہے۔ علوم میں زیادہ تر بحث ظنی تصدیقات کو مضبوط بنانے یا یقینی تک پہنچانے کی ہوتی ہے۔

تعلیمی و عملی نتائج

اس ساری تقسیم کا عملی فائدہ یہ ہے کہ طالب علم اور محقق کو یہ سمجھ آ جاتی ہے کہ کس مسئلے میں کس چیز کی ضرورت ہے۔ اگر الجھن تصور کی ہے، یعنی اصطلاح ہی واضح نہیں، تو دلیل چلانے سے پہلے تعریف طے کرنا ہوگی؛ اگر تصورات واضح ہیں مگر حکم ثابت نہیں تو دلیل کی ضرورت ہوگی؛ اور اگر بات بدیہی ہے تو خواہ مخواہ دلیل مانگنا یا پیش کرنا وقت کا ضیاع ہے۔ اکثر علمی اختلافات کی جڑ یہی ہوتی ہے کہ فریقین ایک ہی لفظ کو مختلف تصورات میں استعمال کر رہے ہوتے ہیں، اس لیے بحث شروع کرنے سے پہلے اصطلاحات کے تصورات طے کر لینا منطق کی سب سے عملی تعلیم ہے۔ اسی طرح نصاب سازی میں بھی یہی ترتیب کارآمد ہے کہ پہلے مفاہیم واضح کیے جائیں، پھر سادہ بدیہی احکام اور پھر ترتیب وار نظری مسائل و دلائل پیش کیے جائیں۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ علم ذہن میں شے کی صورت کے حصول کا نام ہے، اس کی پہلی تقسیم تصور و تصدیق کی ہے، تصور حکم سے خالی سادہ ادراک ہے اور تصدیق اثبات یا نفی کے حکم کے ساتھ ادراک ہے جس میں صدق و کذب کا امکان ہوتا ہے۔ پھر دونوں کی تقسیم بدیہی و نظری میں ہوتی ہے: بدیہی وہ جو بغیر غور و فکر کے حاصل ہو اور نظری وہ جو تعریف یا دلیل کا محتاج ہو۔ تصور کے حصول کا ذریعہ تعریف اور تصدیق کے حصول کا ذریعہ دلیل ہے اور ہر تصدیق اپنے موضوع و محمول کے تصورات پر موقوف ہوتی ہے۔ یہ فریم ورک آگے کے تمام منطقی مباحث یعنی تعریف، قضیے اور قیاس کی بنیاد ہے، اس لیے اسے مثالوں سمیت اچھی طرح سمجھ لینا بنیادی منطق کے طالب علم کے لیے پہلا ضروری قدم ہے۔

سوال نمبر 3 (20 نمبر)

سوال نمبر 3: حد اور معرف کے مفہوم اور بنیادی اصولوں کو واضح کرتے ہوئے روزمرہ زندگی یا علمی مباحث سے مناسب مثالیں پیش کریں اور واضح کریں کہ کسی اصطلاح یا تصور کی درست تعریف متعین کرنے میں حد اور معرف کے اصولوں کا عملی اطلاق کس طرح کیا جا سکتا ہے۔ (20)

تعارف

جب کوئی تصور نامعلوم ہو تو اسے معلوم کرنے کا منطقی ذریعہ تعریف ہے، اور تعریف ہی کی بحث میں حد اور معرف کی اصطلاحات آتی ہیں۔ روزمرہ گفتگو ہو یا علمی بحث، ہم مسلسل تعریفیں مانگتے اور دیتے رہتے ہیں: کتاب کیا ہے، انصاف کسے کہتے ہیں، ذمہ داری کا مفہوم کیا ہے۔ اگر تعریف درست ہو تو تمام آگے کی گفتگو صاف ہو جاتی ہے اور اگر تعریف خراب ہو تو بحث الجھ جاتی ہے، اختلاف بڑھتا ہے اور کبھی پورا فیصلہ ہی غلط بنیاد پر کھڑا ہو جاتا ہے۔ اسی اہمیت کی وجہ سے منطقیین نے تعریف کے باقاعدہ اصول مقرر کیے ہیں۔ اس جواب میں پہلے حد اور معرف کے مفاہیم واضح کیے جائیں گے، پھر ان کے بنیادی اصول بیان ہوں گے، اس کے بعد روزمرہ اور علمی زندگی کی مثالیں پیش کی جائیں گی اور آخر میں بتایا جائے گا کہ کسی اصطلاح یا تصور کی درست تعریف متعین کرتے وقت ان اصولوں کا عملی اطلاق قدم بہ قدم کس طرح کیا جاتا ہے۔

معرف کا مفہوم

معرف وہ قول و بیان ہے جس کے ذریعے کسی نامعلوم تصور کا علم حاصل ہو، یعنی جو بات کسی چیز کے تصور کو واضح کرے اور ذہن اس کی مدد سے اس چیز کو دوسری چیزوں سے الگ پہچان لے۔ معرف کی حیثیت راستہ دکھانے والے کی ہے: شرط یہ ہے کہ معرف خود اس چیز سے زیادہ واضح و معلوم ہو جس کی تعریف مقصود ہے، ورنہ اندھیرے سے اندھیرا دور نہیں ہو سکتا۔ مثال کے طور پر اگر کوئی پوچھے کہ انسان کیا ہے اور جواب دیا جائے کہ انسان حیوانِ ناطق ہے تو یہ بیان معرف ہے، کیونکہ سننے والا حیوان اور ناطق دونوں کو جانتا ہے اور ان کے ملنے سے انسان کا تصور اس کے ذہن میں واضح ہو جاتا ہے اور وہ انسان کو گھوڑے اور پرندے وغیرہ سے الگ کر لیتا ہے۔ معرف کے لیے لفظِ تعریف عام استعمال ہوتا ہے، لیکن منطقی درستگی کے لیے یہ ذہن میں رہے کہ ہر وہ بیان جو تصور واضح کرے معرف کہلائے گا خواہ وہ مکمل تعریف ہو یا جزوی نشاندہی، اور اسی بنیاد پر معرف کی آگے اقسام بیان کی جاتی ہیں۔

حد کا مفہوم اور اس کی اقسام

حد معرف کی وہ خاص قسم ہے جو کسی چیز کی ماہیت و حقیقت کو پوری طرح بیان کرے، یعنی اس کی ذاتی خصوصیات کا ایسا مکمل ذکر جس سے اس چیز کی حقیقت کھل جائے۔ جب تعریف میں قریب کی جنس اور قریب کی فصل دونوں ذکر کی جائیں تو اسے حدِ تام کہتے ہیں، جیسے انسان کی تعریف حیوانِ ناطق: حیوان اس کی جنسِ قریب ہے اور ناطق اس کی فصلِ قریب ہے جو اسے باقی حیوانوں سے جدا کرتی ہے۔ جب تعریف میں بعید جنس کے ساتھ فصل آئے یا صرف فصل ذکر ہو تو اسے حدِ ناقص کہتے ہیں، جیسے انسان کو جسمِ ناطق کہنا یا صرف ناطق کہہ دینا۔ حد کے مقابل رسم ہوتا ہے جو ماہیت کے بجائے چیز کے خاصے یا عرض سے تعریف کرتا ہے: رسمِ تام میں جنسِ قریب کے ساتھ خاصہ ذکر ہوتا ہے، جیسے انسان حیوانِ ضاحک ہے کیونکہ ہنسنا انسان ہی کا خاصہ ہے، اور رسمِ ناقص میں بعید جنس کے ساتھ خاصہ یا محض خاصہ ذکر ہوتا ہے۔ حد کا درجہ رسم سے بلند سمجھا جاتا ہے کیونکہ حد چیز کی حقیقت تک پہنچاتی ہے جبکہ رسم اس کی پہچان کی علامت دیتی ہے، تاہم عملی زندگی میں درست رسم بھی اکثر کافی و شافی ہوتا ہے، خاص کر جہاں ماہیت کا دقیق تعین مشکل ہو۔



Example: 'Man' = rational animal (proximate genus 'animal' + differentia 'rational') — a complete definition (Hadd-e-Tam).

A sound definition must be co-extensive (jami' and mani'), clearer than the defined, and free of circularity.

شکل 3: تعریف کا عمل — نامعلوم تصور کو معلوم تصورات کے اصولوں کے ذریعے معلوم تصور تک۔

حدو معرف کے بنیادی اصول و شرائط

منطقیین نے درست تعریف کے لیے چند بنیادی شرائط مقرر کی ہیں جن کی خلاف ورزی تعریف کو خراب کر دیتی ہے۔ پہلی شرط یہ ہے کہ معرف معرف یعنی تعریف کی جانے والی چیز کے مساوی ہو، جامع بھی اور مانع بھی: جامع کا مطلب یہ کہ تعریف چیز کے تمام افراد پر صادق آئے، کوئی فرد باہر نہ رہے، اور مانع کا مطلب یہ کہ غیر افراد داخل نہ ہوں۔ جیسے انسان کی تعریف اگر صرف حیوان کر دی جائے تو یہ مانع نہیں رہی کیونکہ گھوڑا بھی داخل ہو گیا، اور اگر تعریف عالم انسان کر دی جائے تو جامع نہیں رہی کیونکہ غیر عالم انسان باہر رہ گیا۔ دوسری شرط یہ ہے کہ معرف، معرف سے زیادہ واضح و اجلی ہو؛ مبہم سے مبہم کی تعریف کرنا، جیسے نور کی تعریف اس کے ہم معنی لفظ سے کر دینا، غلط ہے۔ تیسری شرط یہ ہے کہ تعریف میں دور نہ ہو، یعنی جس چیز کی تعریف کی جا رہی ہو اسی کو یا اس پر موقوف چیز کو تعریف میں نہ لیا جائے، جیسے سورج کی تعریف دن کو روشن کرنے والا کہنا جبکہ دن خود سورج ہی سے متعین ہوتا ہے۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ تعریف میں معرف کا عین لفظ یا اس کا مترادف اس طرح استعمال نہ ہو کہ بات وہیں کی وہیں رہ جائے، اور پانچویں شرط یہ ہے کہ تعریف مثبت و واضح الفاظ میں ہو، جہاں سلبی یا مجازی و مبہم الفاظ ناگزیر نہ ہوں وہاں ان سے پرہیز کیا جائے اور فصل و خاصے کے انتخاب میں قریب ترین اور امتیازی ترین وصف چنا جائے۔

جدول 3: حدو معرف کی اقسام اور مثالیں

مثال (انسان)	ترکیب	قسم
حیوانِ ناطق	جنسِ قریب + فصلِ قریب	حدِ تام
جسمِ ناطق نامی	جنسِ بعید + فصل، یا صرف فصل	حدِ ناقص
حیوانِ ضاحک	جنسِ قریب + خاصہ	رسمِ تام
جسمِ ضاحک؛ ضاحک	جنسِ بعید + خاصہ، یا صرف خاصہ	رسمِ ناقص

روزمرہ زندگی کی مثالیں

روزمرہ زندگی میں تعریف کے اصولوں کی خلاف ورزی کے نقصانات مسلسل نظر آتے ہیں۔ گھر میں بچے کے لیے نیک یا تمیز جیسے الفاظ کی کوئی متعین تعریف نہ ہو تو تربیت میں انتشار پیدا ہو جاتا ہے، کیونکہ ہر فرد اپنی سمجھ کے مطابق حکم لگاتا ہے۔ بازار و کاروبار میں اچھی کوالٹی، مناسب قیمت اور بروقت فراہمی جیسی اصطلاحات معاہدے میں واضح نہ ہوں تو تنازع یقینی ہو جاتا ہے۔ ملازمت کے انٹرویو اور دفتری جائزوں میں کارکردگی کے معیار پہلے سے متعین کر لیے جائیں تو فیصلہ انصاف پر مبنی ہوتا ہے، ورنہ پسند و ناپسند غالب آ جاتی ہے۔ اس کے برعکس جہاں تعریف اصولوں کے مطابق ہو وہاں فوائد واضح ہیں: میڈیکل دنیا میں بخار، بلڈ پریشر اور شوگر کی دقیق عددی تعریفیں طے ہیں، اسی لیے دنیا بھر کے معالج ایک ہی زبان میں بات کرتے ہیں اور مریض کی تشخیص میں غلط فہمی کم ہوتی ہے۔ قانون کی دنیا میں بھی جرم، گواہی اور معاہدے کی قانونی تعریفیں جامع و مانع رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے تاکہ فیصلے شخصی رائے کے بجائے متعین مفہوم پر ہوں، البتہ قانونی تعریفوں کے حتمی اطلاق اور تشریح کا اختیار بہرحال عدالتوں اور مجاز اداروں ہی کا ہوتا ہے۔

علمی مباحث کی مثالیں

علمی مباحث میں تعریف کا کردار اور بھی فیصلہ کن ہے۔ اصولِ فقہ میں خبر، قیاس، اجماع اور علت جیسی اصطلاحات کی تعریفیں صدیوں سے بحث کا مرکز رہی ہیں اور ہر تعریف کی جامع و مانع ہونے پر نقد و جرح اسی لیے ہوتی ہے کہ اسی پر آگے کے احکام و دلائل کی عمارت کھڑی ہوتی ہے، تاہم شرعی احکام کے استخراج و اطلاق میں اصل اختیار قرآن و سنت اور اہلِ اجتہاد کا ہے، منطقی تعریف یہاں تنظیم و فہم کی خدمت کرتی ہے۔ جدید تحقیق میں بھی ہر مقالے و مقالچے میں اصطلاحات کی عملی تعریف دینا لازمی سمجھا جاتا ہے، مثلاً خواندگی، غربت یا ذہنی دباؤ کی تحقیقاتی تعریف طے کیے بغیر اعداد و شمار جمع کرنے کو مفید نہیں سمجھا جاتا ہے۔ سماجی علوم میں یہی دیکھا گیا ہے کہ جن تحقیقات نے اصطلاح کی تعریف واضح نہیں کی ان کے نتائج پر سب سے زیادہ اعتراض تعریف ہی کے حوالے سے ہوا۔ اسی طرح مباحثے و مناظرے میں بھی پہلا قاعدہ یہی سکھایا جاتا ہے کہ بحث سے پہلے محلِ نزاع یعنی موضوع کی اصطلاحی تعریف طے کر لی جائے، کیونکہ اکثر اختلاف محض لفظی ہوتا ہے اور تعریف طے ہوتے ہی ختم ہو جاتا ہے۔

درست تعریف متعین کرنے کا عملی طریقہ: قدم بہ قدم اطلاق

کسی اصطلاح یا تصور کی درست تعریف متعین کرنے کا عملی طریقہ درج ذیل مراحل میں بیان کیا جا سکتا ہے۔ پہلا مرحلہ: اس گروہ یا طبقے کا تعین کریں جس میں وہ چیز شامل ہے، یعنی اس کی قریب ترین جنس تلاش کریں؛ مثلاً میز کی تعریف میں فرنیچر یا لکڑی کا سامان جنس کا کام دے گا۔ دوسرا مرحلہ: اس امتیازی وصف کو تلاش کریں جو اس چیز کو اسی جنس کی دیگر چیزوں سے جدا کرتا ہے، یہی فصل یا خاصہ ہو گا۔ تیسرا مرحلہ: تعریف کو ایک جملے میں اس طرح لکھیں کہ جنس پہلے آئے اور فصل بعد میں، جیسے کرسی وہ فرنیچر ہے جو ایک شخص کے بیٹھنے کے لیے ٹانگوں اور پشت کے سہارے کے ساتھ بنایا گیا ہو۔ چوتھا مرحلہ: جامع و مانع ہونے کی آزمائش کریں؛ چیز کے تمام افراد کو ذہن میں لا کر دیکھیں کہ تعریف سب پر صادق آتی ہے یا نہیں، اور غیر افراد کو آزمائیں کہ کوئی داخل تو نہیں ہو رہا۔ پانچواں مرحلہ: دور، ابہام اور مترادف کے استعمال کی جانچ کریں اور مبہم الفاظ کو واضح الفاظ سے بدل لیں۔ چھٹا مرحلہ: counter-example یعنی خلاف مثال تلاش کریں، یعنی شعوری طور پر ایسی مثال سوچیں جو تعریف کو توڑتی ہو؛ اگر ایسی مثال

مل جائے تو تعریف میں ترمیم کریں اور اگر نہ ملے تو تعریف مضبوط سمجھی جائے۔ یہی چھ مرحلے کسی درسی اصطلاح، تحقیقی متغیر یا دفتری پالیسی کی تعریف طے کرنے میں یکساں کارآمد ہیں۔

نتیجہ

حاصل یہ ہے کہ معرف وہ بیان ہے جو نامعلوم تصور کو واضح کرے اور حدود کی اعلیٰ قسم ہے جو چیز کی ماہیت کو جنسِ قریب و فصلِ قریب سے بیان کرے، جبکہ رسم خاصے و عرض کے ذریعے پہچان کراتی ہے۔ درست تعریف کی شرائط مساوات یعنی جامع و مانع ہونا، معرف کا زیادہ واضح ہونا، دور سے خالی ہونا اور واضح مثبت الفاظ کا استعمال ہیں۔ روزمرہ فیصلوں سے لے کر علمی و تحقیقی مباحث تک، جہاں یہ اصول اپنائے گئے وہاں گفتگو صاف، فیصلہ منصفانہ اور اختلافات محدود رہے، اور جہاں یہ چھوٹے وہاں الجھاؤ پیدا ہوا۔ لہٰذا کسی بھی سنجیدہ بحث یا تحریر کی ابتدا میں اصطلاحات کی تعریف انہی اصولوں کے مطابق متعین کر لینا نہ صرف منطق کا تقاضا ہے بلکہ کامیاب علمی عمل کی پہلی شرط بھی ہے۔

سوال نمبر 4 (20 نمبر)

سوال نمبر 4: کلی اور جزئی کے مفہوم کو واضح کرتے ہوئے کلی کی اقسام کو باہم مربوط انداز میں مثالوں کے ساتھ بیان کریں۔ (20)

تعارف

تصورات کی بحث میں سب سے بنیادی تقسیم کلی اور جزئی کی ہے۔ ہماری زبان کے بیشتر الفاظ اور ہمارے ذہن کے بیشتر مفاہیم اسی دو خانوں میں تقسیم ہوتے ہیں: کچھ مفاہیم ایک ہی فرد کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جو بے شمار افراد پر ایک ہی معنی میں صادق آتے ہیں۔ علوم کی ساری درجہ بندیاں، قوانین کا عموم، تعریفوں کی تشکیل اور قضیوں کی ساخت اسی تقسیم پر مبنی ہے، کیونکہ تعریف بھی کلی ہی کی ہوتی ہے اور قانون و حکم بھی عموماً کلی صورت ہی میں بیان ہوتا ہے۔ اگر یہ تقسیم واضح نہ ہو تو جنس و نوع کی

بحث، کلیاتِ خمسہ اور قضیوں کی کمیت کی بحث سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس جواب میں پہلے کلی و جزئی کے مفاہیم مثالوں کے ساتھ واضح کیے جائیں گے، پھر کلی کی مختلف اقسام کو ایک باہم مربوط ترتیب میں بیان کیا جائے گا، یعنی یہ بتایا جائے گا کہ ایک ہی کلی کو مختلف زاویوں سے دیکھنے سے کون کون سی قسمیں بنتی ہیں اور ان کا آپس میں تعلق کیا ہے۔

کلی کا مفہوم

کلی وہ مفہوم ہے جس کی وحدت بہت سے افراد پر اس کے صدق سے مانع نہ ہو، یعنی جس کا مفہوم ایک ہونے کے باوجود وہ ایک سے زیادہ افراد پر درست طور پر بولا جا سکے۔ مثلاً انسان ایک کلی مفہوم ہے، کیونکہ یہ لفظ زید، بکر، خالد اور دنیا کے تمام انسانوں پر ایک ہی معنی میں صادق آتا ہے۔ اسی طرح کتاب، درخت، عالم، طالب علم اور شہر سب کلیات ہیں۔ یہاں دو باتیں ذہن نشین رہیں: اول یہ کہ کلی ہونے کے لیے افراد کا واقع میں موجود ہونا ضروری نہیں، اتنا کافی ہے کہ مفہوم اپنے معنی کے اعتبار سے کئی افراد پر صادق آنے کی صلاحیت رکھے؛ جیسے عنقاء ایک خیالی پرندے کا نام بطور کلی استعمال ہو سکتا ہے اگرچہ اس کا کوئی فرد خارج میں موجود نہ ہو، اور سمندر کی تہہ میں رہائش جیسے مفاہیم بھی اسی قبیل سے ہیں۔ دوم یہ کہ کلی کا صدق افراد پر یکساں بھی ہو سکتا ہے اور متفاوت بھی، اسی پر آگے متواطی و مشکک کی تقسیم مبنی ہے۔ کلی ہی وہ بنیاد ہے جس پر سائنس اور فقہ وغیرہ کے عام قوانین قائم ہوتے ہیں، کیونکہ قانون ہمیشہ افراد کے مجموعے پر بولا جاتا ہے، کسی ایک معین فرد تک محدود نہیں ہوتا۔

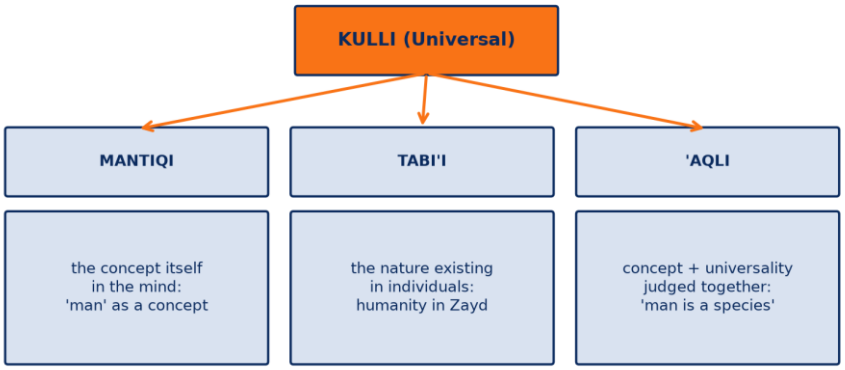
جزئی کا مفہوم

جزئی وہ مفہوم ہے جس کی وحدت اس بات سے مانع ہو کہ وہ ایک سے زیادہ افراد پر صادق آئے، یعنی جو صرف ایک معین فرد ہی کی طرف اشارہ کرے اور دوسرے فرد پر اس کا اطلاق درست نہ ہو۔ مثلاً زید، یہ کتاب، دریائے سندھ، شہر کراچی اور آج کا دن، یہ سب جزئیات ہیں۔ علمِ شخص، اسمِ اشارہ اور ضمیرِ حاضر وغیرہ عام طور پر جزئی کی طرف لے جاتے ہیں۔ جزئی کی پہچان کا آسان معیار یہ ہے کہ اگر مفہوم میں اشتراک کا تصور کروایا جائے تو تناقض پیدا ہو جائے: زید کو دو شخصوں پر ایک ساتھ نہیں بولا جا سکتا۔ ایک باریک نکتہ یہ ہے کہ کبھی کوئی لفظ کلی ہوتا ہے مگر کسی قرینے سے جزئی بن جاتا ہے، جیسے کتاب کلی ہے مگر یہ کتاب میں اشارے نے اسے جزئی کر دیا۔ اس کے برعکس بعض الفاظ

شکل میں کلی لگتے ہیں مگر واقع میں ایک ہی فرد رکھتے ہیں، جیسے سورج اور چاند ہمارے نظام میں فی الحال فرداً واحد ہیں، مگر منطقی اعتبار سے ان کا مفہوم کلی ہے کیونکہ اگر دوسرے سورج فرض کیے جائیں تو لفظ ان پر بھی صادق آئے گا؛ یہی فرق منطقی کلی اور خارجی فردیت میں ہے جسے اگلی اقسام واضح کریں گی۔

کلی کی اقسام کا مربوط جائزہ: تمہید

کلی کی اقسام بکھری ہوئی فہرست نہیں بلکہ مختلف زاویوں سے ایک ہی چیز کا مطالعہ ہیں، اس لیے انہیں تین مربوط سوالوں کی صورت میں سمجھنا آسان ہے۔ پہلا سوال: کلی کو ہم کس حیثیت سے دیکھ رہے ہیں، اس کے مفہوم کی حیثیت سے، اس کی طبیعت و ماہیت کی حیثیت سے یا مفہوم و کلیت کے اجتماع کی حیثیت سے؟ اس سے کلی کی تین مشہور قسمیں منطقی، طبیعی اور عقلی بنتی ہیں۔ دوسرا سوال: کلی اپنے افراد پر یکساں صادق آ رہا ہے یا درجات کے فرق کے ساتھ؟ اس سے متواطی و مشکک کی تقسیم بنتی ہے۔ تیسرا سوال: کلی کے افراد خارج میں پائے بھی جاتے ہیں یا نہیں اور کتنے ہیں؟ اس سے افراد کی موجودگی کے اعتبار سے قسمیں بنتی ہیں۔ یہ تینوں زاویے ایک دوسرے کی نفی نہیں کرتے بلکہ مکمل تصویر بناتے ہیں: مثلاً انسان بیک وقت کلی منطقی بھی ہے جب ہم صرف اس کے مفہوم کی بات کریں، متواطی بھی ہے کیونکہ سب انسانوں پر برابر صادق آتا ہے، اور اس کے افراد خارج میں کثیر بھی ہیں۔ ذیل میں تینوں اقسام ترتیب وار مثالوں سمیت بیان کی جاتی ہیں اور آخر میں جدول سے ان کا باہمی ربط واضح کیا جاتا ہے۔



One universal viewed in three ways; contrasted with the juz'i (particular), e.g. 'this man, Zayd', which cannot be predicated of many.

شکل 4: کلی کے تین زاویے — منطقی، طبیعی اور عقلی۔

پہلی تقسیم: کلیِ منطقی، طبیعی اور عقلی

جب ہم صرف کلی کے مفہوم کو اس حیثیت سے دیکھیں کہ وہ بہت سے افراد پر صادق آنے والا تصور ہے، صرف اس تصورِ کلیت کو کلیِ منطقی کہتے ہیں۔ مثلاً جب کہا جائے کہ انسان کلی ہے تو یہاں صرف اس مفہوم کی بات ہو رہی ہے جو ذہن میں ہے اور جس پر کلی ہونے کا حکم لگ رہا ہے۔ جب ہم اس چیز و ماہیت کو دیکھیں جو افراد میں پائی جاتی ہے، یعنی انسانی طبیعت و حقیقت جو ہر فرد میں موجود ہے، تو اسے کلیِ طبیعی کہتے ہیں، کیونکہ یہ طبیعت و ماہیت خارج میں افراد کے اندر پائی جاتی ہے۔ اور جب مفہومِ کلی اور صفتِ کلیت دونوں کو ملا کر دیکھا جائے، یعنی یہ حکم لگایا جائے کہ یہ ماہیت بطورِ کلی بہت سے افراد پر صادق آتی ہے، تو اس مجموعی اعتبار کو کلیِ عقلی کہتے ہیں، کیونکہ یہ اجتماع و حکم ذہن ہی میں پایا جاتا ہے۔ مثال سے بات یوں واضح ہوتی ہے: ماہیتِ انسان بطور طبیعت ہر انسان میں موجود ہے، یہ طبعی ہے؛ انسان کا تصور بطور ایک مفہوم ذہن میں ہے، یہ منطقی اعتبار ہے؛ اور یہ کہنا کہ انسان بہت سوں پر صادق آنے والا کلی ہے، یہ حکم عقلی اجتماع سے بنتا ہے۔ یہ تقسیم آگے جنس و نوع کی بحث میں کام آتی ہے، کیونکہ جب کہا جاتا ہے کہ حیوان جنس ہے اور انسان نوع ہے تو وہاں یہی اعتبارات ذہن میں رکھے جاتے ہیں۔

دوسری تقسیم: کلیِ متواطی اور کلیِ مشکک

افراد پر صدق کے انداز کے اعتبار سے کلی دو قسم کا ہوتا ہے۔ کلیِ متواطی وہ ہے جو اپنے تمام افراد پر بالکل یکساں اور برابر معنی میں صادق آئے، کسی فرد میں کمی بیشی نہ ہو؛ جیسے انسان اپنے تمام افراد پر برابر صادق آتا ہے، نہ کوئی انسان انسانیت میں دوسرے سے زیادہ انسان ہے اور نہ کم۔ اسی طرح کتاب، سنہرہ اور عدد تین اپنے افراد پر متواطی طور پر صادق آتے ہیں۔ کلیِ مشکک وہ ہے جو اپنے افراد پر اولویت و شدت و ضعف کے فرق کے ساتھ صادق آئے، یعنی معنی ایک ہو مگر اس کی مصداقی شدت سب میں یکساں نہ ہو؛ کلاسیکی مثال وجود ہے جو واجب و ممکن پر ایک معنی میں مگر متفاوت مرتبے کے ساتھ بولا جاتا ہے، اور عام مثال نور و روشنی ہے جو سورج، چراغ اور شمع پر ایک ہی مفہوم میں مگر ظاہر درجے کے فرق کے ساتھ صادق آتی ہے۔ اسی طرح سفید رنگ برف، دودھ اور دیوار پر درجات کے فرق سے بولا جاتا ہے۔ یہ تقسیم اس لیے اہم ہے کہ مشکک کلیات میں

درجے کی غلط فہمی سے استدلال خراب ہو سکتا ہے، مثلاً کسی صفت کا کمزور مصداق دیکھ کر کلی حکم کی نفی کر دینا یا اس کے برعکس ایک شاندار مصداق سے سب پر ایک جیسا حکم لگا دینا۔

تیسری تقسیم: افراد کے وجود کے اعتبار سے قسمیں

کلی کے افراد کے خارجی وجود کے اعتبار سے منطقیین چند صورتیں بیان کرتے ہیں جو کلی و جزئی کے فرق کو مزید واضح کرتی ہیں۔ پہلی صورت وہ کلی ہے جس کے افراد خارج میں بکثرت موجود ہوں، جیسے انسان، درخت اور کتاب۔ دوسری صورت وہ ہے جس کا صرف ایک فرد خارج میں موجود ہو اور مزید افراد کا وجود محال نہ ہو مگر فی الحال واقع نہ ہو، جیسے ہماری دنیا کے اعتبار سے سورج۔ تیسری صورت وہ ہے جس کا کوئی فرد سرے سے موجود نہ ہو یعنی صرف ذہن میں ہے مگر خارج میں اس کا مصداق نہیں، جیسے افسانوی کردار بطور صنفی تصور یا شریکِ الٰہ کا مفہوم جو محال ہے، مگر بطورِ مفہوم زیرِ بحث آتا ہے۔ چوتھی صورت وہ ہے جس کا فرد خارج میں ممکن ہی نہ ہو، یعنی اجتماعِ نقیضین جیسا مفہوم۔ ان صورتوں سے یہ اصول واضح ہوتا ہے کہ کلی ہونا لفظ و مفہوم کی خصوصیت ہے، خارجی کثرت شرط نہیں؛ اسی لیے معدوم یا محال مفاہیم پر بھی علمی بحث ممکن ہوتی ہے اور انہیں بھی منطقی تقسیم میں جگہ ملتی ہے۔ روزمرہ مثال سے سمجھیں تو نیا شہر بسانے کا منصوبہ پہلے تصورِ کلی کی صورت میں ذہن و نقشے میں ہوتا ہے، افراد یعنی مکانات و عمارتیں بعد میں وجود میں آتی ہیں، مگر منصوبے کی سطح پر بحث و فیصلہ پہلے سے ہو رہا ہوتا ہے۔

جدول 4: کلی کی اقسام کا باہم مربوط خلاصہ

مثال	قسمیں	زاویہ
انسان کا مفہوم؛ انسانی طبیعت؛ انسان کلی ہے کا حکم	منطقی، طبیعی، عقلی	حیثیت کے اعتبار سے
انسان (برابر صدق)؛ نور (درجات کے ساتھ صدق)	متواطی، مشکک	صدق کے اعتبار سے
درخت؛ سورج؛ افسانوی صنف؛ اجتماعِ نقیضین	کثیر الافراد، واحد الفرد، معدوم الافراد، محال الافراد	افراد کے وجود سے

کلی و جزئی کے احکام اور عملی فوائد

کلی و جزئی کے چند احکام نوٹ کرنا ضروری ہے جن پر آگے کی بحثیں چلتی ہیں۔ کلی کا انقسام اس کے افراد کی طرف ہوتا ہے جبکہ جزئی تقسیم نہیں ہوتا بلکہ خود افراد میں سے ایک فرد ہوتا ہے۔ کلی پر تعریف جاری ہوتی ہے اور اس کا قانون بنتا ہے، جزئی موضوعِ علم بنتا تو ہے مگر علوم کے قوانین عموماً کلیات ہی میں بیان ہوتے ہیں، کیونکہ علم کا فائدہ عام و ہمیشہ کا ہوتا ہے۔ قضیوں میں موضوع کلی ہو تو حکم عام ہوتا ہے اور موضوع جزئی ہو تو حکم خاص ہوتا ہے، اسی سے موجبہ کلیہ و جزئیہ کی تقسیم وجود میں آتی ہے جو اگلی مشق میں آئے گی۔ عملی زندگی میں اس تقسیم کا فائدہ یہ ہے کہ انسان عام اصول کو خاص فرد پر لاگو کرنے وقت احتیاط سیکھتا ہے: ہر کلی قانون کی شرائط دیکھ کر جزئی معاملے پر اطلاق کیا جاتا ہے، اور کسی ایک جزئی واقعے کو دیکھ کر فوراً کلی حکم بنانے سے پرہیز کیا جاتا ہے، یہی وہ احتیاط ہے جو محقق، قاضی، معالج اور عام شہری سب کے لیے ضروری ہے، اگرچہ حتمی فیصلوں کا اختیار اپنے اپنے دائرے کے مجاز اہلکاروں ہی کے پاس رہتا ہے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ کلی وہ مفہوم ہے جو بہت سے افراد پر صادق آنے کی صلاحیت رکھے اور جزئی وہ ہے جو ایک معین فرد تک محدود رہے۔ کلی کو تین مربوط زاویوں سے تقسیم کیا جاتا ہے: حیثیت کے اعتبار سے منطقی، طبیعی و عقلی؛ صدق کے اعتبار سے متواطی و مشکک؛ اور افراد کے خارجی وجود کے اعتبار سے کثیر الافراد، واحد الفرد، معدوم الافراد و محال الافراد۔ یہ قسمیں آپس میں متصادم نہیں بلکہ ایک ہی کلی کی مختلف جہتوں کا بیان ہیں اور انہی پر جنس و نوع کی درجہ بندی، کلیاتِ خمسہ کی بحث اور قضیوں کی کمیت کی تقسیم قائم ہوتی ہے۔ اس لیے کلی و جزئی کا یہ مربوط نقشہ ذہن میں بٹھا لینا آگے کے تمام منطقی مباحث کے لیے مضبوط بنیاد فراہم کرتا ہے۔

سوال نمبر 5 (20 نمبر)

سوال نمبر 5: کلیاتِ خمسہ کے مفہوم اور اقسام کو واضح کرتے ہوئے روزمرہ یا علمی مثالوں کی مدد سے جنس، نوع، فصل، خاصہ اور عرضِ عام کی نشان دہی کریں اور واضح کریں کہ ہر مثال کو متعلقہ کلی کے تحت رکھنے کی کیا وجہ ہے۔ (20)

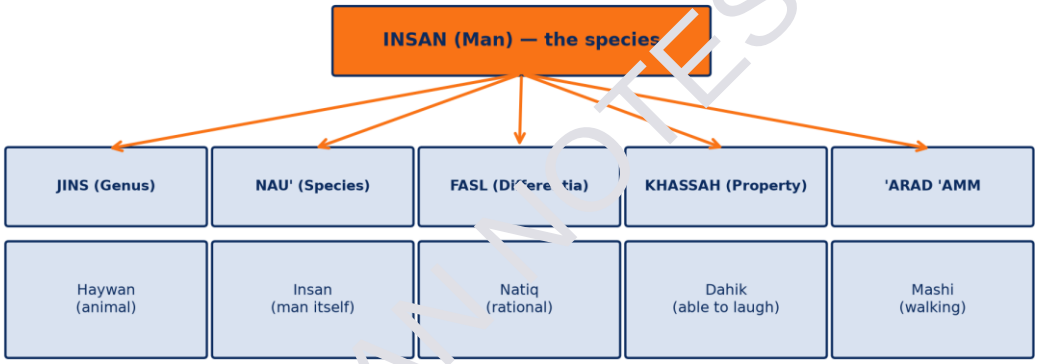
تعارف

کلیاتِ خمسہ منطق کے ان مباحث میں سے ہیں جنہوں نے درجہ بندی اور تعریف کے فن کو باقاعدہ نظام دیا۔ جب بھی ہم کسی چیز کو پہچاننا چاہتے ہیں تو ہمارا ذہن دانستہ یا نادانستہ پانچ سوال کرتا ہے: یہ چیز وسیع تر کس گروہ سے تعلق رکھتی ہے، اس گروہ میں اس کی اپنی مخصوص صنف کیا ہے، اس صنف کو قریبی رشتہ داروں سے جدا کرنے والی امتیازی صفت کیا ہے، اس کی وہ مشہور پہچان کیا ہے جو اسی کے ساتھ خاص ہے، اور اس میں وہ کون سی عام صفات ہیں جو دوسروں میں بھی پائی جاتی ہیں۔ انہی پانچ سوالوں کے جوابات کو منطقی اصطلاح میں جنس، نوع، فصل، خاصہ اور عرضِ عام کہا جاتا ہے اور ان پانچوں کو مجموعی طور پر کلیاتِ خمسہ کہتے ہیں۔ اس جواب میں پہلے کلیاتِ خمسہ کا مجموعی مفہوم واضح کیا جائے گا، پھر ہر کلی کی تعریف و مثال الگ الگ بیان ہو گی، اس کے بعد روزمرہ اور علمی مثالوں کے مکمل نقشے دیے جائیں گے اور ہر مرتبے کی وجہ بھی بیان کی جائے گی تاکہ یہ باب صرف تعریفوں کی فہرست نہ رہے بلکہ استعمال کا طریقہ بن جائے۔

کلیاتِ خمسہ کا مجموعی مفہوم

کلیاتِ خمسہ سے مراد وہ پانچ کلی مفاہیم ہیں جن میں سے ہر ایک کسی نہ کسی حیثیت سے ماتحتی افراد و انواع پر بولا جاتا ہے اور جن کی مدد سے کسی ماہیت کا مکمل منطقی نقشہ بنایا جاتا ہے۔ ان پانچ کو دو بڑے گروہوں میں تقسیم کیا جاتا ہے: پہلا گروہ ذاتیات کا ہے جس میں جنس، نوع اور فصل شامل ہیں، کیونکہ یہ اس چیز کی ماہیت و حقیقت سے تعلق رکھتے ہیں؛ دوسرا گروہ عرضیات کا ہے جس میں خاصہ اور عرضِ عام شامل ہیں، کیونکہ یہ ماہیت کے باہر کی صفات ہیں جو چیز سے جدا بھی ہو سکتی ہیں۔ کلاسیکی مثال انسان کے حوالے سے یوں دی جاتی ہے: حیوان اس کی جنس ہے، انسان اس کی نوع ہے، ناطق اس کی فصل ہے، ضاحک یعنی ہنسنے کی صلاحیت اس کا خاصہ ہے اور ماشٍ یعنی چلنا اس کا عرضِ عام

ہے۔اس مثال کو منطقیین شجرۃ یعنی درخت کی شکل میں بھی پیش کرتے ہیں جس سے انواع کی باہمی درجہ بندی ظاہر ہوتی ہے۔اگلے عناوین میں ہر کلی کا مفہوم، پہچان اور وجہ تفصیل سے آئے گی۔



شکل 5: کلیاتِ خمسہ کا اطلاق ایک مثال پر — انسان بطور نوع۔

جنس

جنس وہ کلی ہے جو ایسی کئی انواع پر بولی جائے جو حقیقت میں ایک دوسرے سے مختلف ہوں اور ان سب میں کسی مشترک ماہیتی جز کو بیان کرے؛ آسان الفاظ میں جنس وہ وسیع گروہ ہے جس کے اندر کئی انواع شامل ہوں۔ حیوان جنس ہے کیونکہ اس کے تحت انسان، گھوڑا، پرندہ اور مچھلی جیسی مختلف انواع آتی ہیں اور یہ سب میں مشترک جز یعنی ذی حیات و حساس ہونا بیان کرتا ہے۔ جنس کی پہچان کا سوال یہ ہے کہ یہ کیا ہے کے جواب میں وہ وسیع حقیقت دی جائے جس میں اس کے ساتھ دوسرے بھی شریک ہوں۔ جنس کی دو قسمیں بھی ذہن میں رہیں: جنسِ قریب وہ ہے جو نوع کے بالکل قریب ہو اور درمیان میں کوئی اور جنس نہ ہو، جیسے انسان کے لیے حیوان؛ اور جنسِ بعید وہ ہے جس کے اور نوع کے درمیان اور درجے ہوں، جیسے انسان کے لیے جسم یا جوہر۔ یہی وجہ ہے کہ حدِ تام میں جنسِ قریب ہی لی جاتی ہے تاکہ تعریف مختصر و دقیق رہے۔ روزمرہ مثال دیں تو کتاب کے لیے مطبوعہ مواد ایک وسیع جنس کا کام دے گی جس کے تحت نصابی کتاب، ناول اور رسالہ انواع کے طور پر آئیں گے۔

نوع

نوع وہ کلی ہے جو ایسی چیزوں پر بولی جائے جو حقیقت میں ایک ہوں اور تعداد میں مختلف ہوں، یعنی ایسا مکمل مفہوم جو اپنے تمام افراد کی مشترکہ حقیقت کو پوری طرح بیان کر دے۔ انسان نوع ہے، کیونکہ زید، بکر اور خالد اگرچہ اشخاص کے اعتبار سے الگ الگ ہیں مگر انسانیت کی حقیقت میں سب ایک ہیں اور انسان کا لفظ ان سب کی پوری ماہیت کو بیان کرتا ہے۔ نوع کی پہچان یہ ہے کہ اس کے بعد ماہیت مکمل ہو جاتی ہے، اس کے نیچے صرف افراد آتے ہیں جن میں فرق عددی و شخصی اوصاف کا ہوتا ہے، ماہیت کا نہیں۔ نوع کو بعض مرتبہ تناظر کے بدلنے سے جنس کے مقابل درجہ ملتا بھی ہے: حیوان انسان کے لیے جنس ہے مگر جسم کے مقابل میں نوع بھی کہلا سکتا ہے، اس لیے منطقیین نوعِ اضافی اور نوعِ حقیقی کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں؛ نوعِ حقیقی صرف وہ ہے جو کبھی جنس نہ بنے یعنی اس کے نیچے انواع نہ ہوں بلکہ صرف افراد ہوں، جیسے انسان۔ یہ باریکی اس لیے ضروری ہے کہ درجہ بندی میں ہر سطح کے کردار کو صحیح جگہ دی جا سکے اور تعریف بناتے وقت نوع کو اس کی مناسب حد کے تحت رکھا جائے۔

فصل

فصل وہ کلی ہے جو کسی نوع کو اس کی جنس میں شریک دیگر انواع سے جدا کرے اور اس نوع کی ماہیت کا امتیازی جز بیان کرے۔ ناطق انسان کی فصل ہے، کیونکہ حیوان کی جنس میں گھوڑے اور پرندے بھی شریک ہیں مگر ناطق ہونا یعنی عقل و شعور سے سوچنا اور بولنا صرف انسان کو ان سے الگ کرتا ہے۔ فصل کی حیثیت تعریف میں فیصلہ کن ہے، اسی لیے حدِ تام جنسِ قریب و فصلِ قریب کے اجتماع سے بنتی ہے۔ فصل بھی قریب و بعید ہوتی ہے: فصلِ قریب وہ ہے جو نوع کو اس کی قریب ترین جنس کے شرکا سے جدا کرے، اور فصلِ بعید وہ جو کسی دور کی جنس کے اعتبار سے جدائی کرے۔ فصل کی پہچان کا عملی طریقہ یہ ہے کہ دو ملتی جلتی انواع کا موازنہ کیا جائے اور یہ پوچھا جائے کہ ان میں ماہیتی فرق کہاں سے آتا ہے؛ جواب میں آنے والا امتیازی جز ہی فصل ہو گا۔ تعلیمی مثال دیں تو مثلث و مربع دونوں شکلیں ہیں اور ان کی جنس ہندسی شکل ہے، مگر تین ضلعوں کا ہونا مثلث کی فصل اور چار ضلعوں کا ہونا مربع کی فصل ہے، اسی فرق سے دونوں کی تعریفیں الگ ہو جاتی ہیں اور طالب علم انہیں گڈمڈ نہیں کرتا۔

خاصہ

خاصہ وہ کلی عرض ہے جو صرف ایک ہی نوع کے افراد کو لازم ہو اور دوسری انواع میں نہ پایا جائے، مگر وہ اس نوع کی ماہیت کا جزنہ ہو۔ انسان کا خاصہ ضاحک ہونا ہے، یعنی ہنسنے کی صلاحیت انسان ہی میں پائی جاتی ہے اور اس کا [illegible] اس کی ماہیت حیوانِ ناطق میں نہیں ہوتا، یہ اس ماہیت کا لازمہ و پہچان ہے۔ خاصے کی اہمیت یہ ہے کہ اس سے رسم یعنی علامتی تعریف بنتی ہے، اسی لیے حیوانِ ضاحک کہہ کر بھی انسان کی پہچان کرائی جا سکتی ہے۔ خاصے کی باریک تقسیم بھی کی جاتی ہے کہ کبھی خاصہ تمام افراد کو لازم ہوتا ہے اور کبھی بعض کو، کبھی ہمیشہ رہتا ہے اور کبھی بعض اوقات میں ظاہر ہوتا ہے، جیسے بعض فنون و مہارتوں کا حصول انسان ہی کا خاصہ ہے مگر ہر فرد میں بالفعل موجود نہیں ہوتا۔ عملی مثال یہ ہے کہ لکھنے پڑھنے کی ایجاد و روایت انسان ہی کی پہچان ہے؛ کوئی اور نوع کتابیں مرتب نہیں کرتی۔ اسی وجہ سے جب ہم کسی چیز کی مشہور اور منفرد پہچان بتاتے ہیں تو اکثر خاصہ ہی بیان کر رہے ہوتے ہیں، خواہ ہمیں اصطلاح معلوم ہو یا نہ ہو، اس لیے اسے شناخت کے نظام میں الگ درجہ دیا گیا ہے۔

عرضِ عام

عرضِ عام وہ کلی عرض ہے جو ایک نوع کے ساتھ خاص نہ ہو بلکہ کئی انواع میں پایا جائے۔ چلنا انسان کا عرضِ عام ہے، کیونکہ چلنے کی صفت گھوڑے، بلی اور دیگر حیوانات میں بھی پائی جاتی ہے، اس لیے یہ نہ انسان کی ماہیت کا جز ہے نہ اس کی منفرد پہچان۔ عرضِ عام کی دو صورتیں سمجھنا مفید ہے: بعض اعراض وقتی و عارضی ہوتے ہیں جیسے بیٹھنا، کھڑا ہونا اور سونا جاگنا، اور بعض دیرپا ہوتے ہیں جیسے رنگ۔ عرضِ عام کی بحث کا فائدہ یہ ہے کہ طالب علم یہ سیکھتا ہے کہ ہر مشترک صفت کو تعریف کا حصہ نہ بنایا جائے؛ تعریف میں اگر عرضِ عام داخل کر دیا جائے تو وہ جامع و مانع نہیں رہتی اور چیز کی اصل پہچان دھندلا جاتی ہے۔ روزمرہ گفتگو میں اکثر ہم لوگوں اور چیزوں کو عرضِ عام سے پہچانتے ہیں، جیسے سرخ کار یا لمبا آدمی، یہ پہچان وقتی سہولت کے لیے تو ٹھیک ہے مگر علمی تعریف میں اس کا درجہ سب سے آخر میں آتا ہے، کیونکہ یہ چیز کی حقیقت نہیں بتاتا صرف ایک حالت بتاتا ہے۔

جدول 5: کلیاتِ خمسہ — تعریف، مثال اور وجہ

کلی	مختصر تعریف	مثال	وجہ
جنس	کئی مختلف انواع میں مشترک ماہیتی جز	حیوان (انسان کے لیے)	انسان کے ساتھ گھوڑا و پرندہ بھی شریک ہیں
نوع	افراد کی مکمل مشترک حقیقت	انسان	تمام افراد انسانیت میں ایک ہیں
فصل	نوع کو شریکِ جنس انواع سے جدا کرنے والا امتیازی جز	ناطق	صرف انسان کو باقی حیوانوں سے الگ کرتا ہے
خاصہ	صرف اس نوع کا لازم عرض	ضاحک (ہنسنے کی صلاحیت)	صرف انسان میں ہے مگر ماہیت کا جز نہیں
عرضِ عام	کئی انواع میں پایا جانے والا عرض	ماش (چلنا)	حیوانوں کی کئی انواع میں مشترک ہے

مکمل روزمرہ و علمی نقشے اور ان کی وجوہات

اب ایک روزمرہ مثال کا مکمل نقشہ دیکھیں: گاڑی کو لیں۔ اس کی جنس سواری و نقل و حمل کا ذریعہ ہے، کیونکہ اس گروہ میں بس، ٹرک اور موٹر سائیکل بھی شریک ہیں۔ اس کی نوع نجی مسافر گاڑی ہے جس کے افراد مختلف کمپنیوں و رنگوں کے باوجود اپنی ساخت و مقصد میں ایک مشترک حقیقت رکھتے ہیں۔ اس کی فصل چار پہیوں پر انجن کی طاقت سے چلنے والی بند سواری ہونا ہے جو اسے موٹر سائیکل اور کھلے ٹرک سے الگ کرتی ہے۔ اس کا خاصہ وہ مخصوص پہچان ہو سکتی ہے جو اسی زمرے کی گاڑیوں کو لازم ہو، جیسے نجی استعمال کے لیے مخصوص نمبر پلیٹ کا نظام۔ اس کا عرضِ عام سرخ رنگ، تیز رفتاری یا پارک شدہ ہونا ہے، کیونکہ یہ اوصاف دیگر سواریوں میں بھی پائے جاتے ہیں یا وقتی ہیں۔ ہر مرتبے

کی وجہ وہی ہے جو اوپر بیان ہوئی: جنس نے وسیع اشتراک بتایا، نوع نے مکمل گروہی حقیقت دی، فصل نے قریبی رشتہ داروں سے جدائی کی، خاصے نے منفرد پہچان دی اور عرضِ عام نے عام و وقتی صفات کو الگ کر کے تعریف کو خراب ہونے سے بچایا۔

علمی مثال کے طور پر زلزلے کی درجہ بندی دیکھیں: جنس بعید مظہر وارضی حرکت ہے، نوع زلزلہ ہے جس کے تمام واقعات زمین کی پلیٹوں کی حرکت سے پیدا ہونے والی لرزش کی مشترک حقیقت رکھتے ہیں، فصل وہ امتیازی سبب و کیفیت ہے جو زلزلے کو آتش فشاں پھٹنے یا سمندری طغیانی سے الگ کرتی ہے، خاصہ اس کی وہ مخصوص آثار و پہچان ہیں جو صرف اسی مظہر کے ساتھ وابستہ بتائے جاتے ہیں، اور عرضِ عام اس کا کسی خاص خطے یا موسم میں واقع ہونا ہے جو دوسرے مظاہر میں بھی ہو سکتا ہے۔ اسی ڈھانچے سے واضح ہوتا ہے کہ کلیاتِ خمسہ قدیم کتابوں کی اصطلاحات ہی نہیں بلکہ جدید ڈیٹا بیس، نصابی درجہ بندیوں، لائبریری کی تنظیم اور سائنسی ٹیکسانومی سب میں اسی منطق سے کام لیا جاتا ہے، فرق صرف اصطلاحات کا ہے، اصول وہی ہے کہ ہر چیز کو اس کی جنس، نوع، فصل، خاصے اور اعراض کے درست درجے پر رکھا جائے۔ جہاں یہ درجے گڈمڈ ہو جائیں وہاں تعریف خراب، تلاش مشکل اور استدلال کمزور ہو جاتا ہے۔

نتیجہ

حاصل یہ ہے کہ کلیاتِ خمسہ کسی ماہیت کے مطالعے کے پانچ منطقی درجے ہیں: جنس وسیع مشترک حقیقت بتاتی ہے، نوع مکمل گروہی حقیقت بیان کرتی ہے، فصل امتیازی جز سے جدائی کرتی ہے، خاصہ منفرد مگر عرضی پہچان دیتا ہے اور عرضِ عام عام و مشترک صفات کو ظاہر کرتا ہے۔ ان میں پہلے تین ذاتیات اور آخری دو عرضیات ہیں۔ انسان کی مثال حیوان، انسان، ناطق، ضاحک اور ماش سے اور گاڑی و زلزلے جیسی روزمرہ و علمی مثالوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہر مرتبے کی اپنی وجہ و پہچان ہے اور انہیں ان کے درجے پر رکھنا ہی درست تعریف و درجہ بندی کی بنیاد ہے۔ کلیاتِ خمسہ کی یہ مشق آگے حدود رسم کی دقیق بحث اور قضیوں کی ساخت کو سمجھنے کے لیے ناگزیر تیاری فراہم کرتی ہے۔